فکر و نظر........... اسلام آباد   جلد: ۴۳   شمارہ: ۳

شیخ احمد سرہندیؒ اور اہل حکومت میں شریعت کی ترویج

ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی *

مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (۱۵۶۴۔۱۶۲۴ء) عہد اسلامی کے ہندوستان کی ان نادر شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اسلامی فکر کی اشاعت اور شریعت کی ترویج کو اپنا مشن بنایا اور اسی کام کے لیے اپنی ساری توجہات مرکوز کیں۔ اس زمانہ کے علماء میں شیخ سرہندیؒ کو اس لحاظ سے امتیازی مقام حاصل ہے کہ انہوں نے ایک وسیع پیمانہ پر اپنا اصلاحی مشن جاری کیا اور مسلم معاشرہ کے تینوں اہم طبقوں (علماء، صوفیا و اہل حکومت) کو اپنا مخاطب بنایا، انہیں شرعی اصول و ضوابط کا پابند بنانے کی کوشش کی اور خود ان میں اس بات کی تحریک پیدا کی کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں شریعت کو رواج دیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنے عہد کے حالات کے گہرے مطالعہ اور تجزیہ کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے تھے کہ مسلمانوں میں جو دینی و سماجی خرابیاں در آئی ہیں، اور ان کی زندگی میں جو بگاڑ آ گیا ہے اس کے تین اہم ذرائع ہیں۔ علماء سوء یا دنیا دار علماء، صوفیائے خام اور اہل حکومت (بادشاہ و امراء) اگر ان کی اصلاح ہوگئی اور ان کی زندگی کا رخ صحیح ہوگیا تو عام لوگوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تیسرے طبقہ کے لوگوں میں ترویج شریعت اور ان کی اصلاح کے لیے جو جو کوششیں کیں اور اس کے لیے جو طریق کار اختیار کیا، پیش نظر مقالہ میں مکتوبات امام ربانیؒ کے حوالے سے اُس کا مطالعہ مقصود ہے۔

شیخ احمد سرہندیؒ کے خطوط کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے حکمراں طبقہ کی اصلاح کو بہت زیادہ اہمیت دی اور اس کی وجہ بھی انہوں نے بیان کی ہے کہ عام لوگوں کے مقابلہ میں ان کی حیثیت وہی ہے جو جسم کے لیے دل یا روح کی ہے۔ اگر وہ درست ہے تو جسم کے تمام اعضاء ٹھیک طور پر کام کرتے ہیں اگر اس میں خرابی آ گئی تو پورے جسم کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اس لیے اس کی درستی مقدم ہے۔ عہد جہانگیری کے ایک اہم منصب دار خواجہ جہاں کے نام خط میں اسلامی عقائد و عبادات کی تفصیل سے وضاحت کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

''آپ کو معلوم ہے کہ سلطان کی حیثیت روح کی ہے اور تمام لوگ مانند جسم کے ہوتے

☆ شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، انڈیا

DMHL

ہیں۔ اگر روح صالح ہے تو جسم و بدن بھی صالح ہے اگر روح فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہے پس اصلاح سلطان کی کوشش کرنا تمام بنی آدم کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے اور اصلاح کلمہ اسلام کے اظہار میں مضمر ہے''۔(۱)

اسی خیال کے پیش نظر انہوں نے بادشاہ اور اہل حکومت کی اصلاح پر خصوصی توجہ دی اور اس کے لیے انہوں نے جو لائحہ عمل تیار کیا اس میں خود حکومت کے متعلقین کو کلیدی حیثیت دی، بالفاظ دیگر انہوں نے اہل سیاست و حکومت کی اصلاح یا ان میں شرعی قوانین کی ترویج کے لیے خود ان لوگوں کو استعمال کرنا زیادہ مناسب و مفید سمجھا جو بادشاہ سے بہت قریب تھے یا خود حکومت کا جز تھے، یہ حسن اتفاق ہے یا شیخ سرہندی کی منصوبہ بندی کا حصہ تھا کہ امراء یا مغلیہ سلطنت کے بڑے عہدہ داروں میں متعدد شیخ کے معتقدین یا مریدین تھے۔ بعض مصنفین کی رائے میں شیخ مجددؒ نے خود ان سے رابطہ قائم کیا اور جب وہ ان سے قریب ہوئے تو ان کی عظمت و محبت ان کے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ وہ ان کے گرویدہ ہوگئے اور پھر شیخ نے ان کی تربیت فرما کر انہیں اس لائق بنا دیا کہ وہ ان کی اصلاحی مشنری بن گئے۔(۲) یہ بات بخوبی معروف ہے کہ امراء سے رابطہ اور ان تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے شیخ نے مکتوب نگاری کا وسیلہ اختیار کیا جو اس عہد کے مزاج کے اعتبار سے ایک اہم و موثر ذریعہ ابلاغ تھا، خاص بات یہ کہ امراء کے نام خطوط میں مخاطب کی رعایت کی گئی ہے اور اس مقصد کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے جس کے تحت یہ خطوط لکھے گئے۔ ان میں نسبتاً علمی اصطلاحیں کم ہیں اور زبان و بیان کے اعتبار سے بھی کچھ آسان ہیں، ان مکاتیب سے اصل مقصود امراء یا اہل حکومت کو دینی عقائد، شریعت کے ضروری احکام اور اسلام کی عام تعلیمات سے روشناس کرانا، ان میں شریعت کی ترویج و تنفیذ کی تحریک پیدا کرنا اور خاص طور سے بادشاہ کو دین کی ضروری باتوں سے باخبر کرتے رہنے پر آمادہ کرنا تھا، دوسرے امراء سے مراسلت کے ذریعہ شیخ احمد سرہندیؒ شاہی دربار کے حالات، بادشاہ کے رویہ اور اہم اقدامات سے آگاہی بھی چاہتے تھے۔ ان مقاصد کی تکمیل میں امراء بہت اہم کردار ادا کر سکتے تھے۔ اس لیے انہیں ان کاموں کی ترغیب دلانے کی خاطر مختلف طریقے اپناتے تھے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اہم عہدہ داروں کے نام خطوط میں بادشاہ سے ان کی قربت، دربار میں ان کے اثر و رسوخ اور ان کی سیاسی حیثیت کا ذکر کے وہ ان کی تعریف و تحسین فرماتے تھے۔

شیخ فرید بخاریؒ کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''اپنی تمام بلند ہمت اسی بات پر لگائیں تاکہ یہ بڑی بھاری سعادت حاصل ہو جائے، خدا

کے فضل سے جاہ و جلال اور عظمت و شوکت سب کچھ حاصل ہے۔ ذاتی شرف و عزت کے ساتھ اگر یہ بات بھی شامل ہو جائے تو سبقت کا گیند سعادت کے چوگان کے ساتھ سب سے آگے لے جاویں گے یعنی بڑی سعادت حاصل کریں گے''۔(۳)

دوسرے اہم افسر حکومت اور بادشاہ کے معتمد خان جہاں کو اس سے واضح الفاظ میں خطاب کرتے ہیں:

''حق تعالیٰ سبحانہ نے آپ کو جس دولت عظمیٰ سے ممتاز کر رکھا ہے عام آدمی اس سے ناواقف ہیں ممکن ہے خود آپ کو بھی اس کا احساس نہ ہو جبکہ بادشاہ وقت آپ کی بات سنتا اور مانتا ہے تو کتنا اچھا موقع ہے اور کیسی نعمت ہے کہ صراحتاً یا اشارتاً جب جیسا موقع مل جائے حق یعنی حضرات اہل سنت و جماعت کے معتقدات کے موافق اسلامی تعلیمات ان کے کان میں ڈالی جائیں اور اہل حق کی باتیں وہاں تک پہنچائی جائیں بلکہ ہمہ وقت اس کے متلاشی و منتظر رہیں کہ کوئی موقع مذہبی و دینی گفتگو کا ہاتھ آئے تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر و اہل کفر کی خرابیاں بیان کی جاسکیں''۔(۴)

اہم بات یہ ہے کہ حکومت کے حلقہ میں ترویج شریعت اور بادشاہ کی اصلاح کے لیے بعض اوقات شیخ مجددؒ امراء کو دعوت مسابقت دیتے تھے۔ لالہ بیگ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب جہانگیر کی سلطنت کا آغاز ہے اگر ابتدائے بادشاہ میں مسلمانی رواج پاگئی اور مسلمانوں نے کوئی حیثیت پیدا کر لی تو فبہا ورنہ توقف کی صورت میں مسلمانوں کا مسئلہ بڑا مشکل ہو جائے گا دیکھنا چاہیے کہ کون نصیبہ ور اس سعادت سے سعادت مند ہوتا ہے اور کون سا شہباز اس دولت کو حاصل کرتا ہے''۔(۵)

امراء کے نام ان کے مکاتیب کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے توسط سے انہیں جو پیغام دیا ہے، اسلام کی جو تعلیمات واضح کی ہیں یا شریعت کے جو مسائل بیان کیے ہیں، بہت سے مقامات پر انہیں قرآن و حدیث کے حوالوں سے مستحکم کیا ہے دوسرے ان کا انداز پوری طرح ناصحانہ و خیر خواہانہ ہے اور بعض مقامات پر سنت کی پیروی اور شریعت کی پابندی کے لیے ایسی درد مندانہ اپیل کی ہے کہ دل کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ مرزا عزیز کوکا خاں اعظم کے نام خط میں مسلمانوں کی حکومت کے باوجود ان کی زبوں حالی، اسلام کی ''غربت'' اور اسلامی احکام پر عمل میں موانع کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

DMHL

> ''اللہ تعالیٰ آپ کی تائید کرے اور احکام اسلامیہ کے اونچا کرنے میں اعداء اسلام کے مقابلہ میں آپ کی مدد فرمائے ، مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **الاسلام بدء غریباً و سیعود کما بدا فطوبیٰ للغرباء** (اسلام اپنے آغاز میں اجنبیت کی حالت میں رہا اور جس طرح اس کا آغاز ہو رہا تھا عنقریب وہ پھر اسی طرح ہو جائے گا، پس خوشخبری ہے غرباء کو یعنی ایسے لوگوں کو جو ایسی حالت میں اسلام سے وابستگی رکھنے کی بنا پر اس کے شریک حال ہوں) غربت اسلام اس حد کو پہنچی ہے کہ کفار برملا طعن اسلام اور ''ذم مسلمانان'' کر رہے ہیں اور بے محابا احکام کفر کا اجراء اور اہل کفر کی مداحی کوچہ و بازار میں ہو رہی ہے۔ مسلمان اجراء احکام سے روک دیے گئے ہیں اور شریعت کی انجام دہی میں مطعون ہیں...... رونق شرع شریف سلاطین کے ساتھ وابستہ بتلائی گئی ہے مگر اب قضیہ بالکل الٹا ہے اور معاملہ برعکس ہے وا حسرتا، وا ندامتا، وا ویلا۔ ہم اس دور میں آپ کے وجود کو غنیمت سمجھتے ہیں اور اس '' معرکہ ضعیف و شکست خوردہ''میں آپ ہی کو ایک ایسا جرنیل سمجھتے ہیں جو خم ٹھونک کر میدان مقابلہ میں آجائے، حق تعالیٰ آپ کا ناصرو مؤید ہے''۔ (٦)

حقیقت یہ کہ اہل حکومت میں شریعت کی ترویج اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لئے شیخ احمد سرہندیؒ نے مختلف تدابیر اختیار کیں اور اس کام کے لیے خود امراء کو مختلف طریقہ سے رغبت دلائی۔ اس دینی خدمت کے لئے انہوں نے جن امراء سے کام لیا وہ ان سے گہری عقیدت اور قربت رکھتے تھے اور عہد جہانگیری میں مغل حکومت کے ممتاز و نامور ارکان بھی تھے اور وہ یہ ہیں۔

نواب فرید مرتضٰی خاں بخاری:

عہد اکبری و جہانگیری کے اہم اراکین سلطنت میں سے، اکبر کے دور میں میر بخشی، جہانگیر کے عہد میں صوبہ گجرات و پنجاب کے گورنر، مرتضٰی خاں کے لقب اور صاحب السیف و القلم کے خطاب سے سرفراز۔ شجاعت و سخاوت، علم دوستی، علمی ذوق اور رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے کافی معروف۔

عبدالرحیم خانخاناں:

جہانگیر کے اتالیق، عہد اکبری میں گجرات ، سندھ و دکن کی فتح کے دوران فوجی سربراہ ، ممتاز و اہم ترین رکن سلطنت ، امیر الامراء کے لقب سے سرفراز ، علم وفن کے شائق ، مختلف زبانوں کے

DMHL

ماہر اور اہل علم وفن کی قدردانی و سرپرستی کے لیے مشہور۔

مرزا عزیز کوکا خان اعظم:

اکبر کے رضاعی بھائی، بہترین فوجی جنرل، شاہی دربار سے خان اعظم کے خطاب سے مشرف، گجرات کے گورنر، مرکزی حکومت میں کچھ عرصہ وکالت کے عہدہ پر سرفراز اور عہد جہانگیری کے نامور باثر امراء میں سے۔

میران صدر جہاں:

عہد اکبری و جہانگیری میں ممالک محروسہ کے صدر (مذہبی امور کے ذمہ دار) و شعبہ افتاء کے سربراہ: بچپن میں جہانگیر کے اتالیق ، تخت نشینی کے بعد ان کے بہت ہی قریبی و معتمد ، شریعت کے سخت پابند، صاحب علم وفضل اورحسن اخلاق سے مزین:

محمد قلیج خاں:

شہزادہ دانیال کے اتالیق، عہد اکبری میں مرکز میں وزیر اور گجرات، لاہور، کابل، آگرہ، مالوہ و پنجاب کے یکے بعد دیگرے گورنر، جہانگیر کے دور میں بھی گجرات ، پنجاب و کابل کے گورنر، ماہر منقولات ومعقولات اور اسلامیات میں خصوصی دلچسپی کے مالک اور درس تدریس کے شائق۔

مرزا داراب خاں ابن عبدالرحیم خانخاناں:

عہد جہانگیری کے امراء عظام میں سے، برار اور احمد نگر کے گورنر۔ بعد میں‌شہزادہ خرم(شاہجہان) کی بغاوت میں شرکت کی وجہ سے معتوب و مقتول۔

خواجہ دوست محمد کابلی (خواجہ جہاں):

ایام شہزادگی میں‌جہانگیر کے دیوان (افسر مالیات) ، تخت نشینی کے بعد ان کے منصب وعہدہ میں اضافہ، خواجہ جہاں کے لقب سے مشرف، بادشاہ کے خاص و معتمد امراء میں سے اور کچھ عرصہ کے لیے آگرہ کے حاکم۔

خان جہاں لودی:

عہد اکبری و جہانگیری کے مشہور و تجربہ کار فوجی جنرل۔ دکن میں شہزادہ پرویز کی ماتحتی میں فوجی کمانڈر۔

DMHL

لالہ بیگ (جہانگیر قلی خاں):

عہد جہانگیری کے امراء عظام میں سے، پہلے باز بہادر اور بعد میں جہانگیر قلی خاں کے خطاب سے مشرف ، پٹنہ و بہار کے گورنر، قرآن کریم سننے کے عاشق اور حفاظ کرام کے قریبی مصاحب۔(۷)

قلیج اللہ خاں: گورنر پنجاب و کابل (محمد قلیج خاں کے صاحبزادے)۔

ان کے علاوہ دیگر متعدد امراء کے نام شیخ سرہندی کے خطوط دستیاب ہیں۔ لیکن ان کے بارے میں تفصیلی معلومات نہ مل سکیں۔ مذکورہ بالا امراء میں نواب فرید بخاری اور عبدالرحیم خانخاناں کے نام ان کے خطوط تعداد و مشتملات دونوں اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ خان جہاں کے نام ان کا ایک مکتوب (حصہ دوم، مکتوب نمبر ٦٧) اس لحاظ سے خاص امتیاز رکھتا ہے کہ تقریباً تیرہ صفحات پر مشتمل اس خط میں اسلامی عقائد وعبادات کی مفصل تشریح و توضیح کی گئی ہے اور شریعت کے خاص خاص احکام کی جامع تعبیر پیش کی گئی ہے۔ مزید برآں اس میں شریعت کی اہمیت اور اہل حکومت میں اس کی ترویج کی ضرورت و افادیت کی جانب موثر انداز میں توجہ دلائی گئی ہے۔

حکومت اور شریعت کی ترویج سے متعلق شیخ احمد سرہندیؒ کا واضح نقطہ نظر یہ تھا کہ حکومت و اس کے ذمہ داروں سے بھی شریعت کی ترویج و تنفیذ وابستہ ہے اور یہ اہم کام بہت کچھ حکمرانِ وقت کی دلچسپی اور حسنِ اہتمام پر موقوف ہے۔ اصلاً علماء وصوفیہ دعوت دین و ترویج شریعت کا کام انجام دیتے ہیں اور بادشاہان وقت اپنے تعاون سے انہیں تقویت پہنچاتے ہیں۔ اس طرح وہ بھی شریعت کی ترویج کا ذریعہ بنتے ہیں، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''شریعت کا رواج سلاطین کے حسنِ اہتمام کے ساتھ(بھی) وابستہ ہے۔ اس اہتمام نے کچھ عرصہ سے ضعف پیدا کر لیا ہے۔ ناچار اسلام ضعیف ہو رہا ہے...... بادشاہوں کے اعزاز و اکرام سے بھی اسلام کو رونق ہوئی ہے، علماء و صوفیاء معزز و محترم تھے اور شاہان وقت کی تقویت سے وہ ترویج شریعت میں کوشش کرتے رہتے ہیں''۔(۸)

واقعہ یہ ہے کہ شریعت کی ترویج میں سلطنت سے جو مدد ملتی ہے اور سلطان کے دینی رجحان سے اس کام کو جو تقویت نصیب ہوتی ہے عہد وسطی کے ہندوستان میں بالخصوص قطب الدین ایبک، غیاث الدین تغلق، فیروز شاہ تغلق، سکندر لودی، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگزیب کے دور میں اس کے متعدد مظاہر سامنے آئے ان کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے:

DMHL

''امراء و اہل حکومت کو شریعت کی ترغیت دیتے ہوئے شیخ مجددؒ نے سب سے پہلے اس کام کی قدرو قیمت واضح کی اور اسے کارنبوت سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ'' انبیاء علیہم السلام جو کہ بہترین کائنات ہیں۔ انہوں نے شرائع کی دعوت دی ہے اور مدار نجات اس پر ہے، درحقیقت انبیاء کی بعثت کا مقصد ہی تبلیغ شرائع ہے۔ پس سب سے بڑی نیکی ترویج شریعت میں سعی کرنا اور اس کے احکام میں سے کسی کو زندہ کرنا ہے بالخصوص ایسے زمانہ میں کہ شعائر اسلام منہدم ہوگئے ہوں''۔(۹)

شریعت کی اہمیت جاگزیں کرنے کے لیے شیخ سرہندیؒ یہ بھی فرماتے تھے:

''اللہ کی راہ میں کروڑوں روپے خرچ کرنا کسی ایک شرعی مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں ہوسکتا اس لیے کہ شرعی مسئلہ رواج دینے میں انبیاء کی پیروی اور ان کے کار تبلیغ میں مشارکت ہے اور کروڑوں روپیہ خرچ کرنا تو انبیاء کے علاوہ دوسروں کو بھی میسر ہوسکتا ہے''۔(۱۰)

مجدد الف ثانیؒ کی نظر میں اس کام کی اہمیت اس زمانہ میں اور بڑھ جاتی ہے جب اسلامی احکام کی خلاف ورزی اور دینی شعائر کی بے حرمتی کے واقعات کی کثرت ہو جائے اور اسلامی تعلیمات اجنبی بن کر رہ جائیں، عہد اکبری کے حوالہ سے شیخ فریدؒ کو اس جانب متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ترویج دین و تقویت ملت جس وقت اور جس سے بھی وقوع میں آئے اچھی ہے لیکن اس وقت میں جبکہ اسلام کی غربت کا زمانہ ہے آپ جیسے سیادت مآب جواں مردوں کے لئے بہت ہی زیادہ زیبا اور مناسب ہے ...... حقیقی وراثت نبوی اس ترویج و اشاعت دین میں مضمر ہے۔''(۱۱)

اس مہتم بالشان کام کی طرف اہل حکومت کو راغب کرتے ہوئے شیخ مجددؒ نے یہ حقیقت بھی ان کے گوش گزار کی کہ اگر اس راہ میں کچھ پریشانیاں آئیں اور دشواریوں کا سامنا ہو تو زہے قسمت، انہیں بہرصورت گوارا کرنا چاہیے اس لیے کہ یہ تو انبیاء کی سنت رہی ہے۔ انہوں نے دین کی تبلیغ کی راہ میں کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں اور افضل الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے دو چار ہوئے بلکہ اس راہ میں آپ نے سب سے زیادہ تکلیفیں اٹھائیں جیسا کہ حدیث مبارک سے واضح ہوتا ہے۔(۱۲)

مزید برآں وہ اس پہلو سے بھی امراء کو ترویج شریعت پر ابھارتے تھے کہ یہ بڑی سعادت مندی

DMHL

کا کام ہے۔ حکومت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوتے ہوئے جس کو یہ توفیق نصیب ہو جائے اس سے بڑھ کر خوش قسمت کون ہوسکتا ہے وہ امراء جو حکومت کی ذمہ داریاں انجام دیتے ہوئے شریعت پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور بادشاہ سے قربت کو ترویج شریعت کے لئے استعمال کرتے ہیں فقراء یا صوفیاء سالہا سال سر کھپائیں تو اس عمل میں ان کے برابر نہیں ہوسکتے۔[۱۳]

شیخ احمد سرہندیؒ نے ترویج شریعت کی راہ سے اہل حکومت کی اصلاح کے لیے جو مشن جاری کیا اس میں علم شریعت کو خاص اہمیت دی۔ ظاہر ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اسلامی قوانین کو نافذ کرنے سے قبل ان سے واقفیت ضروری ہے درحقیقت ہر مسلمان کے لیے اس علم کی جو اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ شیخ مجددؒ کے بقول "شریعت کے تین جزو ہیں (۱)علم (۲)عمل (۳)اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت محقق نہ ہوگی۔ شریعت متحقق ہوگی تو رضائے حق سبحانہ حاصل ہوگی اور یہ رضائے باری ہی تمام سعادات دنیویہ و اخرویہ سے بلند و بالا ہے۔ ورضوان من الله اکبر"[۱۴] وہ اہل حکومت پر بھی زور دیتے تھے کہ وہ شریعت کے ضروری مسائل سے واقفیت حاصل کریں اور دوسروں کو بھی ان سے روشناس کرائیں۔ حکومت کے ایک افسر کے نام خط میں اس ضرورت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "جو چیز ضروری ہے وہ یہ کہ اول عقائد کی تصحیح مطابق اہل سنت و جماعت۔ ثانیاً فرائض ، سنن، واجبات و مستحبات، حلال و حرام، مکروہ و مشتبہ کا علم حاصل کیا جائے پھر احکام فقہیہ کے بموجب اعمال ادا کیے جائیں"۔[۱۵]

وہ بادشاہ کے قریبی و معتمد امراء سے یہ توقع رکھتے تھے اور انہیں اس جانب متوجہ بھی کرتے تھے کہ وہ بادشاہ کو دین کی ضروری باتوں سے آگاہ کرتے رہیں گے اور جب بھی ان سے ملاقات کا موقع نصیب ہو اسے غنیمت جانتے ہوئے بادشاہ کو احکام شریعت سے مطلع کریں گے۔ بادشاہ کو یہ علم بہم پہنچانا وہ اس لیے بھی ضروری سمجھتے تھے کہ ان کو یہ احساس تھا کہ دربار میں جو غیر اسلامی رسوم و روایات جاری ہیں یا حکومت کے حلقہ میں جو غیر شرعی اعمال رواج پا رہے ہیں اس کی ایک وجہ شرعی اصول و ضوابط سے عدم واقفیت یا قلت معلومات ہے۔ جہانگیر کے بہت ہی قریبی امیر شیخ فرید بخاریؒ کے نام مکتوب میں ان کے یہ احساسات ملاحظہ فرمائیں:

> "مسلمانوں پر ضروری ہے کہ بادشاہ کو ان بدکیشوں کی رسومات کی قباحت پر مطلع کریں اور ان کے مٹانے کی پوری کوشش کریں جو کچھ ان میں سے باقی رہ گئی ہیں ان کا بقا شائد اس وجہ سے ہو کہ بادشاہ کو ان کی خرابی کا علم نہ ہو، بہرحال شرعی مسائل سے بادشاہ

DMHE

کومطلع کرتے رہنا نہایت ضروری ہے جب تک یہ نہ ہوگا بادشاہ کے مقربین اور علماء پر اس کا بار رہے گا''۔ (۱۶)

رہا یہ مسئلہ کہ شریعت کا علم کن سے حاصل کیا جائے یا شاہی دربار میں احکام شریعت سے واقف کرانے کے لیے کون سے حضرات مقرر کیے جائیں، اس باب میں شیخ سرہندیؒ نے واضح طور پر فرمایا کہ دنیا دار و جاہ پرست علماء سے احتراز کیا جائے اور علوم شریعت کے حصول کی خاطر ایسے علماء سے رجوع کیا جائے جوعلم میں‌مہارت کے ساتھ تقویٰ و خلوص کے لیے بھی معروف ہوں۔ ایسے علماء کو انہوں نے علماء آخرت سے تعبیر کیا ہے۔ گورنر پنجاب محمد قلیج کے صاحبزادے قلیج اللہ خاں کو نصیحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''احکام شریعت کو علماء آخرت سے دریافت کرنا چاہیے۔ ان کی بات میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے۔ شائد ان کے انفاس کی برکت سے عمل کی توفیق ہو جائے۔ علماء دنیا سے جنہوں نے علم کو وسیلۂ مال و جاہ بنا رکھا ہے دور رہنا چاہیے۔ البتہ اگر تقویٰ شعار علماء نہ مل سکیں تو پھر مجبوراً ان علماء دنیا سے معلوم کر لیا جائے وہاں (لاہور میں) حاجی محمد اترہ علماء دیندار میں سے ہیں اور میاں شیخ علی اترہ خود تم سے واقف ہیں۔ غرض یہ دونوں بزرگ اس علاقہ میں غنیمت ہیں مسائل شرعیہ کی تفتیش میں ان کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے''۔ (۱۷)

اس اقتباس سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ کی نظر میں علماء آخرت ہی اس لائق ہیں کہ ان سے استفادہ کیا جائے اور شریعت کے باب میں ان سے رہنمائی حاصل کی جائے وہیں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ مختلف علاقوں کے علماء پر ان کی گہری نظرتھی وہ ان کے احوال و خصائص سے بخوبی واقف تھے یہاں یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ شاہی دربار میں تذکیر و اصلاح اور احکام شریعت سے واقف کرانے کے لیے بھی علماء کے انتخاب میں شیخ سرہندیؒ نے بڑی احتیاط اور چھان بین پر زور دیا جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ جہانگیر نے جب شاہی دربار میں شرعی مسائل کے باب میں رہنمائی کے لیے چار علماء مقرر کرنے کا پروگرام بنایا اور اپنے قریبی امراء سے ان کے انتخاب کے سلسلہ میں فرمائش کی تو شیخ مجددؒ کو اس خبر سے بڑی خوشی ہوئی لیکن ساتھ ہی شیخ فریدؒ اور صدر جہاں کو متنبہ کیا کہ علماء کے انتخاب میں بڑی تحقیق و احتیاط کی ضرورت ہے ۔ ایسے علماء اس کام کے لیے نہ منتخب کیے جائیں جو جاہ و منصب کے طالب اور مال و دولت کے حریص ہوں۔ اس لیے کہ سابق دور میں حکومت کے ذریعہ جو خرابیاں معاشرہ میں در آئیں یا بادشاہ نے جو بے دینی و گمرہی پھیلائی وہ

DMHL

زیادہ تر علماء سوء کے فتنوں کا نتیجہ تھیں۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ جس طرح بہترین علماء بہترین خلائق ہیں اسی طرح بدترین علماء بدترین خلائق ہیں۔ اس لیے ان کے معاملات میں بڑی احتیاط وغور وفکر سے کام لینا چاہیے ۔ صدر جہاں کو متنبہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سنا گیا ہے کہ بادشاہ اب اسلامی رجحانات کی وجہ سے کچھ علماء کا تقرر چاہتے ہیں **الحمد لله علی ذلک**، آپ کو تو معلوم ہے کہ پچھلے دور میں جو فساد آیا وعلماء سوء ہی کی کم بختی سے پیدا ہوا تھا۔ اس باب میں خوب تحقیق و تلاش کرکے دین دار علماء کا انتخاب فرمایا جائے ۔ علماء سو دین کے چور ہیں اور ان کا مطمح نظر صرف منصب اور پیسہ اور لوگوں کے نزدیک عزت ہوتا ہے۔ خدا ان کے فتنے سے محفوظ رکھے۔ ہاں ان میں جو اچھے ہیں وہ افضل ترین خلق ہیں''۔(۱۸)

یہاں یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے مذہبی رجحانات اور دینی تعلیمات کی اشاعت میں ان کی کچھ دلچسپی دیکھتے ہوئے شیخ مجددؒ نے ۱۶۱۹ء میں اپنے ایک معتمد و مرید شیخ بدیع الدین کو آگرہ کے شاہی لشکر میں رشد و ہدایت کا کام انجام دینے اور اپنے سلسلہ تصوف کو فروغ دینے کے لیے مامور کیا تھا۔(۱۹) اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ ان کی علمی و دینی حیثیت سے مطمئن تھے اور انہیں علماء آخرت میں شمار کرتے تھے۔

امراء کے نام خطوط میں شیخ سرہندیؒ نے علم شریعت کے حصول اور اجتماعی طور پر اسے فروغ دینے کی اہمیت اور اس کے طور و طریق واضح کرنے کے ساتھ اس بات کی بار بار تلقین کی کہ روزمرہ زندگی میں قوانین شریعت کی پیروی کی جائے۔ درحقیقت یہی وہ نکتہ ہے جس پر مکتوبات امام ربانیؒ میں سب سے زیادہ زور ملتا ہے اور یہی وہ پیغام ہے جو علماء، صوفیاء اور حکمراں طبقہ کے نام خطوط میں بطور مشترک عنصر پایا جاتا ہے۔ ایک جانب انہوں نے علماء کو اتباع شریعت کی نصیحت کی اور ترجمانی شریعت کی حیثیت سے ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں۔ دوسری جانب حکماء و فلاسفہ کو یہ سبق سکھایا کہ وہ فلسفی جس نے اپنی بصیرت کی آنکھوں میں صاحب شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کا سرمہ نہیں لگایا عالم امر کی حقیقت سے اندھا ہے۔ تیسری جانب اہل تصوف کو تلقین کی کہ طریقت وحقیقت شریعت کے خادم ہیں نہ کہ اس سے ماوراء و برتر۔ حاجی محمد لاہوری کے نام ایک خط میں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

''پس شریعت دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے اور کوئی ایسا مطلب باقی نہیں جس کے حاصل کرنے کے لیے شریعت کے سوا کسی اور چیز کی حاجت پڑے۔ طریقت

DMHL

وحقیقت جن سے صوفیاء ممتاز ہیں تیسرے جزء یعنی اخلاص (ان کے مطابق شریعت کے پہلے دو جزء علم وعمل ہیں) کے کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں۔پس ان دونوں کی تکمیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کوئی اور امر شریعت کے سوا''۔(۲۱)

بہرحال علماء ہوں یا صوفیہ ، اہل حکومت ہوں یا عوام سب کو شیخ مجددؒ اتباع شریعت کی تلقین کرتے تھے اور ان کے ذہن میں یہ حقیقت جاگزیں کرتے تھے کہ ان کی نجات کا دارومدار اسی پر ہے۔ عہد اکبری و جہانگیری کے نامور رکن سلطنت عبدالرحیم خانخاناں کو اتباع شریعت کی نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زندگانی چند روزہ صاحب شریعت کی اتباع میں بسر کرنی چاہیے اس لیے کہ عذاب اخروی سے چھٹکارا اور تنعّمات سرمدی تک پہنچانا اتباع شریعت کی سعادت ہی سے وابستہ ہے''۔(۲۲)

شیخ سرہندیؒ کے معتقدین میں جب ممریز خاں افغان شاہی دربار سے منسلک ہوئے اور انہیں دنیوی آسائش و فراخی نصیب ہوئی تو ان کو اس طور پر شریعت پر کار بند رہنے کی تلقین کی:

''اب جبکہ تم اس حالت میں مبتلا ہوگئے ہو تو اس امر کی کوشش کرو کہ طریق استقامت اور التزام شریعت کا دامن تمہارے ہاتھ سے نہ چھوٹے اور شغل باطن میں بھی کوئی خلل واقع نہ ہو''۔(۲۳)

DMHL

یہاں یہ واضح رہے کہ حکومت کے جن عہدہ داروں سے شیخ کی مراسلت ہوئی ان میں بہت سے ان کے سلسلہ تصوف سے منسلک تھے ان کے نام خطوط میں وہ اپنے صوفیانہ افکار کی تبلیغ کرتے تھے اور انہیں اصلاح باطن کی نصیحت کرتے ہوئے یہ فرماتے تھے کہ یہ راہ شریعت مطہرہ سے ہوکر گذرتی ہے اس پر چلے بغیر تصوف کی منزل تک پہنچا مشکل ہے۔ فتح خاں افغان کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''باطن کے اہتمام کے ساتھ لازم ہے کہ ظاہر کا اہتمام بھی ہو۔ جوشخص صرف باطن میں مشغول ہو اور ظاہر کے درست کرنے سے باز رہے وہ ملحد ہے۔ اس کے احوال باطن استدراج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حال باطن کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ ظاہر احکام شرعیہ سے آراستہ ہو۔ طریقت، استقامت یہی ہے اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے''۔(۲۴)

مزید برآں گورنر پنجاب کے صاحبزادے قلیچ اللہ خاں کو انتہائی مخلصانہ انداز میں نصیحت کرتے

ہوئے رقم طراز ہیں۔

''اے فرزند! جو چیز فرداً قیامت میں کام آئے گی وہ اتباع صاحب شریعت علیہ الصلوۃ والسلام ہے۔ احوال و مواجید، علوم و معارف، اشارات و رموز اگر اتباع رسول کے ساتھ جمع ہو جائیں تو بہت اچھا ہے اور اگر اتباع رسول کے ساتھ نہیں تو سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں ہے۔ متابعت شریعت سراپا برکت ہے اور مخالفت شریعت سراسرہلاکت، اس بات کو خوب ذہن نشین کر لینا''۔(۲۵)

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں شیخ فرید بخاری کو متنبہ کرتے ہیں:

''قیامت میں شریعت کے متعلق سوال کیا جائے گا تصوف کے متعلق نہیں۔ جنت کا داخلہ اور آتش دوزخ سے نجات شریعت ہی کی پابندی سے وابستہ ہے''۔(۲۶)

اہل حکومت کو عمومی انداز میں شریعت کی پیروی کی تلقین و تاکید کرنے کے علاوہ شیخ مجددؒ شریعت کے متعینہ احکام کے حوالہ سے ان کی بجا آوری پر زور دیتے رہے اور خاص طور سے فرائض کی ادائیگی کے لیے انہیں بار بار متوجہ کرتے رہے۔ اس باب میں اصولی طور پر انہوں نے جو باتیں پیش کیں وہ بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ اول انہوں نے یہ حقیقت واضح کی کہ دین اسلام میں بڑی آسانی ہے اللہ تعالیٰ نے جو عبادات فرض کی ہیں اور روزمرہ زندگی کے لیے جو احکام وضع کیے ہیں ان میں انسان کی بشری کمزوریوں اور طبعی ضرورتوں کی پوری پوری رعایت ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے خاص طور سے نماز، زکوٰۃ، حج اور کھانے پینے و لباس سے متعلق شریعت کے احکام سے ''**الدین یسر**'' کی تشریح فرمائی۔ اس کی اردو ترجمانی ملاحظہ فرمائیں:

''اللہ جل سلطانہ کی کمال عنایت ہے کہ تمام تکلیفات شرعیہ اور مامورات دینیہ میں اس نے انتہائی سہولت کو ملحوظ رکھا ہے مثلاً آٹھ پہر(دن رات) میں سترہ رکعات (فرض) پر اکتفا کیا گیا کہ جس کی ادائیگی میں کل وقت ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں لگتا۔ ساتھ ہی ساتھ نماز میں قراء ت کو بھی اتنا ہی رکھا گیا ہے جتنی آسان ہو۔اگر کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھی جاسکے تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا اور بیٹھنا بھی مشکل ہو تو کروٹ کے بل نماز پڑھنے کے لیے فرمایا گیا اور جب رکوع و سجود بھی مشکل ہو تو اشارہ سے نماز پڑھنے کی سہولت عطا فرمائی۔ طہارت میں اگر پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمّم کی اجازت دے دی۔ زکوٰۃ میں (صرف) چالیسواں حصہ فقراء و مساکین کے لیے مقرر فرمایا، تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کو فرض کیا گیا اور ساتھ ہی زاد و راحلہ اور راستہ کے امن کے ساتھ

DMHL

مشروط فرمایا۔ کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں میں اکثر کو مباح کر دیا اور تھوڑی سی چیزیں حرام قرار دیں اور وہ بھی بندوں کی مصلحتوں کا لحاظ رکھ کر"۔ (۲۷)

دوسرے شیخ سرہندیؒ نے یہ واضح کیا کہ احکام شریعت کی مختلف قسمیں ہیں اور عبادات کی الگ الگ نوعیتیں ہیں اور اس بنیادی نکتہ پر خاص زور دیا کہ اسلامی شریعت میں فرض کا اپنا مقام ہے اور نفل کی اپنی حیثیت ہے نفل کسی بھی صورت میں فرض کے برابر نہیں ہوسکتا، ان کا یہ نقطہ نظر ایک مکتوب کے اس حصہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے:

"اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے اعمال یا فرائض ہیں یا نوافل مگر نوافل کا فرائض کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں۔ اپنے وقت میں کسی فرض کا ادا کرنا ہزار سالہ نوافل سے بہتر ہے اگرچہ وہ نوافل بہ نیت خالص ادا کیے جائیں.......... ایک دانگ (چھ رتی وزن کے برابر) زکوٰۃ کا حساب کرکے نکالنا نفلی طریقہ پر سونے کے بڑے بڑے پہاڑ خیرات کر دینے سے کہیں زیادہ افضل ہے"۔ (۲۸)

یہاں اس جانب اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فرائض کا مقام پہچاننے اور اسے برتنے کی ہدایت صوفیہ، علماء و اہل حکومت سب کے نام خطوط میں ملتی ہے اور اہل تصوف کے نام خطوط میں اس پر کچھ زیادہ ہی زور نظر آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صوفیاءِ وقت نفل عبادت کے اہتمام پر خاص توجہ دیتے تھے اور مشائخ اپنے مریدین و معتقدین کو بھی اس کی نصیحت کرتے رہتے تھے۔ غالباً اس ماحول میں نوافل کی کثرت کی وجہ سے فرائض کو وہ مقام نہیں مل پا رہا تھا جن کے وہ مستحق ہیں، عبادت کے باب میں اس عدم توازن کی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے شیخ سرہندیؒ فرائض کا مقام و مرتبہ ملحوظ رکھنے کی طرف بار بار لوگوں کو متوجہ کرتے رہے۔

امراء و اہل مناصب کے نام شیخ سرہندیؒ کے خطوط میں جن فرائض کی ادائیگی کی سب سے زیادہ تاکید ملتی ہے وہ نماز اور زکوٰۃ ہیں۔ ان کی عظمت و اہمیت محتاج بیان نہیں مرزا فتح اللہ حکیم کے نام ایک خط کا ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو:

"آدمی کو جس طرح درستگی اعتقاد کے بغیر چارہ نہیں، اعمال صالحہ کی ادائیگی کے بغیر بھی چارہ نہیں۔ جامع ترین عبادت اور مقرب ترین اطاعت نماز کا ادا کرنا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **الصلوٰۃ عماد الدین فمن اقامها فقد اقام الدین ومن ترکها فقد هدم الدین** (نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے نماز قائم کی اس نے دین قائم کیا

اور جس نے نماز کو چھوڑا اس نے دین کو ڈھایا) جس کسی کو نماز کی پابندی نصیب ہوتی ہے اس کو فحشاء و منکر سے بھی محفوظ رکھا جاتا ہے۔ **ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر**۔ یہ آیت میری بات کی تائید کر رہی ہے۔ اگر نماز بے حیائی و برائی سے نہیں بچا رہی ہے تو سمجھو کہ صورت نماز ہے حقیقت نماز نہیں ہے ۔ مگر جس وقت تک یہ حقیقت حاصل نہ ہو جائے تو صورت کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے...... پس تم پر لازم ہے کہ جماعت کے ساتھ اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز کو ادا کرو اس لیے کہ یہ نماز سبب نجات و فلاح ہے''۔[۲۹]

مذکورہ عبارت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ شیخ مجددؒ صرف نماز کی نہیں بلکہ باجماعت نماز کے اہتمام کی تاکید فرماتے تھے اس کا مزید ثبوت بعض دیگر خطوط سے بھی ملتا ہے جن میں جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کی نصیحت کی گئی ہے۔ سکندر خاں لودی کے نام خط میں ان کی ہدایت یہ ہے کہ جماعت سے نماز پنج گانہ کی بجا آوری اور سنن موکدہ کی ادائیگی کے بعد باقی اوقات ذکر الٰہی میں صرف کرنا چاہیے۔[۳۰]

بعض امراء کے نام خطوط میں شیخ سرہندیؒ نے روزہ کی اہمیت، اس کے فضائل اور اصول و آداب واضح کیے ہیں۔[۳۱] لیکن ان کے خطوط میں اس سے زیادہ تفصیل اور بار بار تاکید زکوٰۃ کے باب میں ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اہل حکومت کے ذہنوں میں یہ حقیقت جاگزیں کرنے کی کوشش کی کہ بے حساب داد و دہش سے بہتر وضروری یہ ہے کہ اپنے اموال کا باقاعدہ حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے۔ شیخ مجددؒ کی اس ہدایت کی معنویت اس پس منظر میں سمجھی جاسکتی ہے کہ بادشاہ و امراء کے یہاں داد و دہش کی روایت بہت مستحکم تھی، خاص طور سے کسی خوشی، فتح یا تہوار کے موقع پر وہ خواص وعوام کو انعام و عطایا سے نوازتے تھے ان فیض یا فتگان میں فقراء و مساکین بھی شامل ہوتے تھے۔ بسا اوقات یہ داد و دہش محض نام ونمود کے لیے ہوتی تھی لیکن اموال کی باضابطہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں وہ کوتاہ تھے اس صورتحال کی عکاسی شیخ کے ایک خط میں بھی ملتی ہے۔ فرائض کی بجا آوری کی نصیحت کرتے ہوئے وہ تحریر فرماتے ہیں:

''بہت سے آدمی اس زمانہ میں اشاعت نوافل اور تخریب فرائض میں مشغول ہیں نفلی عبادتوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اور فرائض کو خوار وبے اعتبار قرار دے رکھا ہے۔ بہت سا روپیہ موقع بے موقع مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں، لیکن ایک جیتل (ایک معمولی سکہ) زکوٰۃ کی ادائیگی میں ان کو دینا مشکل ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک جیتل زکوٰۃ میں

دینا لاکھوں روپیہ صدقہ نافلہ میں دینے سے بہتر ہے۔ ادائیگی زکوٰۃ میں محض حکم خداوندی پورا کیا جاتا ہے اور صدقہ نافلہ کا منشاء اکثر وبیشتر ہوائے نفسانی ہے۔ اسی لیے فرض میں ریاکاری کی گنجائش نہیں اور نفل میں ریاکاری کے لیے بڑا میدان ہے''۔[۳۲]

یہی وجہ ہے کہ شیخ مجددؒ نے اہل حکومت کو فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کا پابند بنانے کی کوشش کی اور اس کے لیے وہ انہیں مختلف طریقہ سے ترغیب دیتے رہے: قلیج اللہ خاں کو نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی کی تاکید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''پانچ وقت کی نماز پڑھو، اگر تہجد میسر ہو جائے تو زہے سعادت ، ادائے زکوٰۃ بھی ارکان اسلام میں سے ہے۔ زکوٰۃ بھی نکالو۔ وہ طریقہ جس سے زکوٰۃ کی ادائیگی بسہولت ہو جاتی ہے یہ ہے کہ اپنے مال میں جو حق فقراء ہے اس کو سالانہ جدا کر لیا جائے اور اس کو زکوٰۃ کی نیت سے محفوظ رکھ کر سال بھر تک مصارف زکوٰۃ میں صرف کیا جائے۔ اس صورت میں ہر مرتبہ ادائے زکوٰۃ کی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی ایک مرتبہ نیت زکوٰۃ سے مال کا جدا کرنا کافی ہوگا۔ ویسے تو فقراء مستحقین پر بہتیرا خرچ کرتے ہوں گے لیکن چونکہ نیت زکوٰۃ نہیں ہوتی اس لیے زکوٰۃ میں وہ رقم محسوب نہ ہوگی''۔[۳۳]

مذکورہ بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ سرہندیؒ نے نہ صرف زکوٰۃ ادا کرنے کی ہدایت دی بلکہ امراء کو اس کی ادائیگی کا ایک آسان طریقہ بھی بتایا کہ زکوٰۃ ادا ہوتی رہے اور ان کی داد و دہش بھی جاری رہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے باب میں اہل حکومت کی کوتاہی اور اس کے تئیں شیخ مجددؒ کی فکرمندی اس سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ متعدد ارکان سلطنت کے نام خطوط میں اس کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ ان میں نامور امراء عبدالرحیم خانخاناں اور شیخ فرید بخاریؒ بھی شامل ہیں۔ اول الذکر کو نصیحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''پس مال نامی اور جنگل میں چرنے والے چوپایوں کی پوری پوری زکوٰۃ ادا کرنا اور اس امر کو اموال و چہار پائگاں میں نہ پھنسنے کا وسیلہ بنانا چاہیے۔ لذیذ کھانوں اور نفیس کپڑوں میں حظ نفس کو ملحوظ نہ رکھا جائے بلکہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں سوائے اس کے کہ ادائے عبادت پر قوت حاصل ہوگی اور کوئی نیت نہ کی جائے''۔[۳۴]

اس سے قبل شیخ فریدؒ اور بعض دوسرے امراء کے نام خط کے حوالہ سے حضرت مجددؒ کی یہ اصولی بات بیان کی جاچکی ہے کہ زکوٰۃ میں مقررہ شرح کے مطابق معمولی رقم خرچ کرنا نفلی صدقات میں

DMHL

بے تحاشا مال و دولت لٹانے سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے۔ مزید برآں تصوف سے تعلق رکھنے والے امراء کو اس طور پر بھی اس فریضہ کی بجا آوری کی ترغیب دیتے تھے کہ نفس کی پامالی اور تزکیہ نفس کے لیے شریعت کے ضابطہ کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا بہت زیادہ مفید ہے۔[۳۵] اس کے علاوہ زکوٰۃ میں جو آسانی کا پہلو ہے اسے یاد دلا کر بھی اس کی ادائیگی پر لوگوں کو ابھارتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ چالیس میں سے ایک حصہ یا اپنے اموال کا ڈھائی فی صد زکوٰۃ کے طور پر نکال دینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ ایک خط میں اسی نکتہ پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''نصاب کی موجودگی میں زکوٰۃ ادا کرنا بھی ضروریات اسلام میں سے ہے، اس کو بھی رغبت بلکہ جذبہ احسان مندی کے ساتھ ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال کرم سے تمام دن رات میں صرف پانچ وقت ادائے عبادت کے لیے مقرر فرمائے ہیں اور مال نامی اور جنگل میں چرنے والے جانوروں میں سے چالیسواں حصہ (تحقیقی یا تقریری طور پر) فقراء کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ بڑی ناانصافی کی بات ہوگی کہ رات دن کی ساٹھ گھڑیوں میں سے دو گھڑی بھی عبادت الٰہی میں مصروف نہ ہوں اور چالیس میں سے ایک حصہ بھی فقراء کو نہ دیا جائے''۔[۳۶]

بعض امراء کے نام خطوط میں فرائض اسلام میں نماز، روزہ و زکوٰۃ کے ساتھ حج کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس کی ادائیگی کی جانب بھی توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔[۳۷] اگرچہ اس باب میں وہ ترغیبات و تاکیدات شیخ سرہندیؒ کے خطوط میں نہیں پائی جاتیں جو نماز و زکوٰۃ کے ضمن میں ملتی ہیں۔

اہل حکومت کے نام شیخ سرہندیؒ کے خطوط میں فرائض کی بجا آوری کے علاوہ جن باتوں کی طرف خاص طور سے ان کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے وہ ہیں: حلال و حرام کی تمیز، فضول خرچی سے اجتناب، حقوق العباد کی نگہداشت، خورد و نوش اور لباس میں اسلامی ضوابط کی پابندی، لوگوں سے برتاؤ میں تواضع و انکساری، اہل بدعت و علماء سوء سے دوری اور متقی علماء وصلحاء کی صحبت و قربت۔ ظاہر ہے کہ ان سب کا تعلق روزمرہ زندگی سے ہے اور مسلمانوں کی زندگی کا ہر پہلو شریعت سے منضبط ہوتا ہے۔ اہم بات یہ کہ ان خطوط میں شیخ احمد سرہندیؒ نے بادشاہ حکومت کے عہدہ داروں کو جن باتوں کی زیادہ تاکید کی ہے وہ مال کے حصول و استعمال میں حلال و حرام کا خیال اور دوسروں کے مالی حقوق کی دیانتدارانہ ادائیگی ہے۔ اس زمانہ کے بادشاہوں اور اہل مناصب کے بارے میں یہ معروف ہے کہ مالی معاملات میں عام طور پر ان کے یہاں بہت سی بے ضابطگیاں پائی جاتی تھیں۔ شریعت کے متعینہ محاصل کے علاوہ دیگر محاصل عائد کرنا، محاصل کی مقرر مقدار سے زائد وصول کرنا،

DMHL

عیش و عشرت و تفریحات پر بے تحاشا مال و دولت خرچ کرنا، ریاست کی آمدنی کو ناجائز طور پر اپنے اور اہل و عیال کے فائدہ کے لیے خرچ کرنا، محکمہ مالیات (بالخصوص شعبۂ محاصل) کے افسران کا رشوت ستانی و مالی بددیانتی میں ملوث ہونا انہی بے ضابطگیوں کا حصہ تھا۔ یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ عہد وسطی کے بعض ہندوستانی علماء بادشاہوں کے ہدایا و انعامات قبول کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے اور اس کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ ان کے ذرائع آمدنی میں حرام مال کی آمیزش ہوتی تھی۔[۳۸] اس سیاق میں حرام و مشتبہ مال سے اجتناب ، فضول خرچی سے احتزاز اور مالی و اجبات کی ادائیگی کے سلسلہ میں امراء کو شیخ سرہندیؒ کی ہدایات بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ محمد مراد بخشی کے نام خط میں بہت ساری نصیحتوں کے بعد آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

''ایک اور نصیحت یہ کرنی ہے کہ کھانے میں لقمہ حلال کا خاص خیال رکھا جائے، یہ کیا ضروری ہے کہ کوئی شخص جو کچھ کسی جگہ سے پائے اس کو کھائے اور حلال و حرام شرعی کا لحاظ نہ کرے۔ یہ شخص خود مختار نہیں ہے کہ جو چاہے کرے بلکہ اپنا ایک آقائے حقیقی رکھتا ہے کہ جس نے امرونہی کی تکلیف دی ہے اور بذریعہ انبیاء علیہم السلام اس نے اپنی رضا و عدم رضا کو بیان فرمایا ہے وہ بندہ بڑا بے سعادت ہے جو اپنے مولیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی خواہش رکھتا ہو اور مولیٰ کی اجازت کے بغیر اس کے مُلک و مِلک میں تصرف کرے''۔[۳۹]

اسی طرح عبدالرحیم خانخاناں کو رجوع الی اللہ، توبہ و انابت اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے مالی معاملات میں دیانت داری کی نصیحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ ایک کوڑی جو حرام طریقہ پر حاصل کی تھی اس کا واپس کرنا اس سے سو گنا صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک درہم کا چھٹا حصہ (جو غلط طریقہ سے حاصل ہوا ہے) واپس کر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سو مقبول حجوں سے بہتر ہے''۔[۴۰]

ایک دوسرے سرکاری افسر کو دنیا کی ترغیبات و تحریصات سے متنبہ کرتے ہوئے حرام و مشتبہ چیزوں سے اجتناب کی نصیحت بڑے دردمندانہ انداز میں کرتے ہیں:

''مجھے ڈر ہے کہ کہیں دوستان نیک انجام دنیا کی آرائشوں میں پھنس کر بچوں کی طرح اس کے فریفتہ ہو جائیں اور دشمن لعین (شیطان) کی رہنمائی میں مباح سے مشتبہ کی طرف اور مشتبہ سے حرام کی طرف رغبت نہ کرنے لگیں، ایسا ہوا تو مولائے حقیقی کے سامنے خجل

وشرمندہ ہونا پڑے گا۔ توبہ اور رجوع اِلی اللہ میں قدم راسخ رکھنا اور منہیات شرعیہ کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے''۔(۴۱)

شیخ احمد سرہندیؒ کی ان ہدایت و نصائح سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کس طرح مالی معاملات میں صحیح رخ پر اہل حکومت کی ذہن سازی کی کوشش کی اور وہ مسلسل انہیں محرمات و مشتبہات سے دور رہنے کی مخلصانہ نصیحت کرتے رہے۔

ایک امر لائق توجہ ہے کہ امراء کے نام خطوط میں اکبری دور میں اسلامی شعائر کی بے حرمتی ، قوانین شریعت کی خلاف ورزی اور اسلامی روایات کی پامالی کی جانب متوجہ کرتے ہوئے شیخ احمد سرہندیؒ نے بادشاہ کی اصلاح، شریعت کی اتباع اور اسلامی تعلیمات پر عمل آوری کی بار بار نصیحت کی لیکن ان خطوط میں واضح طور پر یہ ہدایات نہیں ملتیں کہ حکومت کی ذمہ داریاں شریعت کے مطابق انجام دینی چاہئیں۔ حکومت کی آمدنی کے ذرائع و مصارف میں شرعی اصول و ضوابط کی پابندی ہونی چاہیے عدلیہ کے شعبہ میں اسلام کے اصول عدل و انصاف پرکاربند رہنا چاہیے۔ دربار کے غیر اسلامی رسوم و روایات کو ختم کر دینا چاہیے اور عوام کے ساتھ برتاؤ میں قرآن و حدیث کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔ مزید برآں مکتوبات امام ربانی میں جہانگیر بادشاہ کے نام بھی ایک خط ہے اور صاحبزادوں کے نام ایک خط میں بادشاہ کی ایک مجلس میں حاضری اور وعظ و تذکیر کا حوالہ ملتا ہے لیکن ان خطوط میں بھی مذکورہ بالا امور کی جانب واضح لفظوں میں توجہ نہیں دلائی گئی ہے۔بادشاہ کے نام مکتوب میں اس کی سلطنت کی بقا اور لشکر شاہی کی فتح ونصرت کے لیے دعا کی گئی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ جہاد سے سلطنت کو تقویت ملتی ہے اور سلطنت کی مضبوطی سے شریعت کی ترویج و اشاعت بھی وابستہ ہے۔ دوسری جانب یہ کام لشکر دعا سے بھی متعلق ہے جو'' ارباب فقراء اور اصحاب مصیبت و بلا'' کا لشکر ہے اور اس کی دعاؤں کی بدولت حقیقی معنوں میں فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے اور لشکر غزا کے لیے لشکر دعا کی حیثیت روح کی ہے پس فوجی لشکر کو لشکر دعا کے بغیر چارہ نہیں''۔(۴۲) دوسرے خط میں بادشاہ کی جس مجلس کا تذکرہ ہے وہ رمضان المبارک کی ایک مجلس تھی اس میں جو موضوعات بادشاہ و اہل دربار کے سامنے زیر بحث آئے وہ یہ تھے۔ بعثت انبیاء، ختم نبوت، آخرت پر ایمان، اعمال صالحہ پر آخرت میں ثواب، دیدار الٰہی بروز قیامت، خلفاء راشدین کی اتباع، سنت تراویح، عقیدۂ تناسخ کا بطلان اور ہر صدی میں مجدد کا ظہور، شیخ سرہندیؒ کے بقول بادشاہ نے ان موضوعات پر ان کی گفتگو کو بہت توجہ سے سنا۔(۴۳)

DMHL

بہرحال ان باتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیخ مجددؒ بادشاہ و امراء کی سیاسی زندگی یا حکومت کے نظم و نسق میں شریعت کے مطابق اصلاح نہیں چاہتے تھے اصل بات یہ ہے کہ وہ علماء ، صوفیہ، حکمراں و عوام ہر طبقہ کے لوگوں کی زندگی کی اصلاح مجموعی طور پر چاہتے تھے اور روزمرہ زندگی میں انہیں سنت نبویؐ کا پیروکار اور شریعت کا متبع بنانا چاہتے تھے۔ غالباً ان کو یہ احساس تھا کہ وہ (خواہ اہل حکومت ہوں یا کوئی اور) عام زندگی میں شریعت کے پابند ہو جائیں گے تو اپنی مخصوص مصروفیات یا اپنے خاص دائرہ کار میں ان کے لیے شریعت پر چلنا آسان ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مکتوبات ربانی میں ان تینوں طبقوں کے نام مکاتیب میں مضامین کا کچھ اختلاف پایا جاتا ہے لیکن ان میں جو باتیں کم و بیش مشترک نظر آتی ہیں وہ ہیں اللہ و رسول کی اطاعت ، شریعت کی پیروی اور نقشبندی صوفیاء کے طریقہ پر تزکیہ و احسان کا حصول۔ درحقیقت شیخ مجددؒ کے اصلاحی مشن کے تین ارکان تھے۔ تصحیح عقائد ، شریعت پر عمل آوری اور تزکیہ نفس۔ تیسرا رکن خود انہی کی وضاحت کے مطابق اول دونوں کا تکملہ اور ان کے تابع تھا۔ وہ اسی نہج پر لوگوں کی ذہن سازی و اصلاح چاہتے تھے اور اپنے خطوط میں بار بار انہی نکات پر زور دیتے رہے۔[۴۴] ان کا خیال تھا کہ اس طور پر اگر کسی کی زندگی سدھر جائے گی تو ہر معاملہ میں شریعت کی اتباع اس کی اولین ترجیح بن جائے گی اور یہی اصلاً ہر مومن سے مقصود ہے۔ وہ علماء و صوفیہ، اہل حکومت و عوام سب سے اس کے لیے درمندانہ اپیل کرتے تھے اس باب میں تساہلی و نرم رویہ کو سخت ناپسند کرتے تھے اور بادشاہ کی مجلسوں میں بھی اسلامی اصول و ضوابط کی ترجمانی میں کسی تکلف سے کام نہیں لیتے تھے۔[۴۵] مزید برآں وہ ان علماء و صوفیہ پر برملا نقد کرتے تھے جو رخصت کا بہانہ لے کر خلاف شریعت امور کو مباح قرار دیتے تھے، جیسا کہ ذیل کی تفصیلات سے واضح ہوتا ہے۔

اس زمانہ میں شاہی دربار میں حاضری پر بادشاہ کی تعظیم و تکریم میں اس کے سامنے سجدہ کرنے کا رواج تھا بلکہ یہ دربار کے آداب میں شامل تھا اور اس کی خلاف ورزی جرم سمجھی جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ سراسر غیر اسلامی روایت اور ایک ناجائز عمل تھا، لیکن بعض علماء اسے سجدہ تعظیمی قرار دیتے ہوئے اس کی اباحت کے قائل تھے۔ شیخ احمد سرہندیؒ کسی بھی صورت میں غیر اللہ کے سامنے سجدہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ شاہی دربار میں طلبی پر اس روایت کی خلاف ورزی کی وجہ سے انہیں بادشاہ کی ناراضگی مول لینی پڑی جس کی وجہ سے وہ قید و بند کی آزمائش سے بھی دوچار ہوئے۔ اسی دوران شہزادہ خرم (جو شیخ کے بڑے معتقد تھے) نے بعض علماء کے توسط سے سجدہ

DMHL

تعظیمی کی اباحت کے حوالہ سے انہیں اس کے لیے راضی کرنا چاہا تاکہ وہ قید و بندکی پریشانیوں سے بچ جائیں تو شیخ نے یہ کہہ کر اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ نہ کیا جائے۔(۴۶) اس واقعہ سے بادشاہ کے سامنے سجدہ کرنے کے مسئلہ پر ان کا موقف بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت ایک مرید (میر محمد نعمان اکبر آبادی) کے استفتاء پر ان کے اس جواب میں ملتی ہے:

''اے برادر! سجدہ جو پیشانی کو زمین پر رکھنے کو کہتے ہیں انتہائی تذلل و شکستگی کو متضمن ہے اور اس میں کمال تواضع و فروتنی پائی جاتی ہے اس وجہ سے اس قسم کی تواضع و فروتنی کو صرف واجب الوجود جل سلطانہ کی عبادت کے ساتھ مخصوص رکھا گیا ہے اس کے غیر کے لیے سجدہ جائز نہیں رکھا گیا ہے....... بعض علماء نے سلاطین کے لیے سجدہ تعظیمی کو جائز قرار دیا ہے لیکن سلاطین عظام کے لائق حال یہ ہے کہ وہ اس معاملہ میں حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے تواضع و فروتنی کا مظاہرہ کریں اور اس انتہائی تذلل و انکسار (سجدہ) کو غیر اللہ کے لیے جائز نہ قرار دیں۔ حضرت حق جل مجدہ نے ایک عالم کو بادشاہوں کا مسخر اور ان کا محتاج کر دیا ہے، اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا کریں اور ایسی تواضع کو جو کمال عجزو انکساری کی اطلاع دیتی ہے فقط جناب قدس کے لیے ہی مسلم رکھیں۔ اس معاملہ میں کسی کی اس کے ساتھ شرکت نہ ڈھونڈیں، ہر چند کچھ عالم اس سجدہ تعظیمی کو ان کے لیے جائز قرار دیں لیکن بادشاہوں کے حسن تواضع کا یہ تقاضا ہے کہ وہ خود اس کو جائز نہ سمجھیں''۔ (۴۷)

زیر بحث مسئلہ کی وضاحت کے ساتھ اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ اور شاہی دربار سے متعلق مسائل پر امراء کے علاوہ دوسروں کے نام مکاتیب میں بھی اظہار خیال فرماتے تھے۔ یہاں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ بعض صوفیاء (بالخصوص چشتی سلسلہ سے تعلق رکھنے والوں) کے حلقہ میں شیخ کے روبرو سجدہ تعظیمی کا رواج تھا اور وہ اسے مباح سمجھتے تھے۔ شیخ سرہندی نے سختی سے اس کی بھی مخالفت کی اور جس طرح انہوں نے اس کوجائز تصور کرنے والے علماء پر نکیر ظاہر کی اس طرح ایسے صوفیاء کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا اور اہل تصوف کو اس غیر شرعی عمل سے اجتناب کی ہدایت دی۔ شیخ نظام الدین فاروقی تھانیسری کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بھی معتبر لوگوں نے نقل کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کے مرید ان کو سجدہ تعظیمی کرتے ہیں فقط زمین بوسی ہی پر اکتفا نہیں کرتے۔ اس فعل کی خرابی اظہر من الشّمس ہے

DMHL

ان کو سختی سے منع کیجئے۔ اس قسم کے افعال سے ہر ایک کو اجتناب کرنا چاہیے۔ علی الخصوص وہ شخص جو مخلوق کا مقتدی بنے اس کو تو اس قسم کے افعال سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے ورنہ اس کے پیرو اس کے اعمال کی اقتدا کریں گے اور وبال میں گرفتار ہوں گے''۔ (۴۸)

ان بیانات سے یہ اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندیؒ کو شریعت کے باب میں کسی کی بھی جانب سے مداہنت گوارانہ تھی اور یہ کہ شریعت سے انحراف کرنے والوں کو وہ بلا تکلف متنبہ کرتے تھے اور واضح لفظوں میں اس سے باز آجانے کی انہیں ہدایت دیتے تھے۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندیؒ نے اہل حکومت میں شریعت کی ترویج پر خصوصی توجہ دی۔ ایک مسلمان کے لیے اتباع شریعت کی اہمیت کے اثبات کے ساتھ انہوں نے ان کے ذہنوں میں یہ حقیقت جاگزیں کرنے کی کوشش کی کہ ترویج شریعت بہت عظیم کام ہے جسے بہترین خلائق یعنی انبیاء علیہم السلام انجام دیتے رہے ہیں اور اس کی اہمیت اس زمانہ میں اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب دینی بے راہ روی اور گمراہی کا دور دورہ ہو جائے۔ دوسرے حکومت کے حلقوں میں شریعت کو رواج دینا اس وجہ سے اور اہم ہے کہ بادشاہ حکمراں طبقہ اپنے قول وعمل سے عوام پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس طبقہ کے لوگوں کی اصلاح سے کافی حد تک عوام کی اصلاح منسلک ہے۔ شیخ مجددؒ نے خطوط کے ذریعہ امراء یا حکومت کے اہم عہدہ داروں کو مختلف طریقہ سے اس بات کے لیے راغب کیا کہ روزمرہ زندگی میں شریعت کو رہنما بنائیں اور بادشاہ کو بھی اس کی پیروی کے لیے آمادہ کریں اور جب بھی موقع ملے اسے دین کی ضروری باتوں اور شریعت کے احکام سے باخبر کرتے رہیں۔

مذکورہ بالا مباحث سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اہل حکومت کو عمومی انداز میں اتباع شریعت کی تاکید کے ساتھ شیخ مجددؒ انہیں فرائض کی بجا آوری اور سماجی و معاشی زندگی سے متعلق اہم احکام پر عمل آوری کی تلقین مسلسل کرتے رہے اور محرمات سے اجتناب پر خاص زور دیتے رہے۔ اصلاح احوال پر ابھارتے ہوئے سب سے زیادہ دو باتوں کی جانب انہیں متوجہ کیا۔ اول عقائد کی درستگی اور دوسرے ہر معاملہ میں شریعت کی پیروی ۔ وہ بار بار یہ حقیقت ان کے گوش گزار کرتے رہے کہ لوگوں کی نجات کا مدار اس پر ہے خواہ وہ اصحاب منصب ہوں یا عوام ، علماء ہوں یا صوفیاء۔ مزید برآں امراء کے نام خطوط میں شیخ مجددؒ نے بڑے ہی موثر انداز میں یہ نکتہ واضح کیا کہ ہر مسلمان کے لیے علم شریعت کا اکتساب بھی ضروری ہے لیکن یہ اکتساب اسی وقت بار آور ہوگا جب اس علم کو

DMHL

عملی روپ دیا جائے یہ امر بدیہی ہے کہ وہ بیمار جو اپنے مرض کی دوا کا علم رکھتا ہے صحت اسی وقت پائے گا جب وہ اسے استعمال کرے۔ فقط دوا کا علم اس کے لیے صحت بخش نہ ہوگا۔انہوں نے اس طور پر بھی اتباع شریعت کی رغبت دلائی کہ شریعت کے مطابق تھوڑا سا عمل بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث بنتا ہے جب کہ اسی کے بالمقابل خلاف شریعت کام اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے اور پھر اس پر اجر و ثواب کا سوال ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عمل موافق شریعت ہوتا ہے وہ پسندیدۂ حق تعالیٰ ہوتا ہے اور خلاف شریعت عمل ناپسندیدۂ حق ہے اس پر ثواب کی کیا امید ہوسکتی ہے بلکہ اس پر سزا کا ڈر رہتا ہے۔ بڑے ہی دردمندانہ لہجہ میں شیخ نے یہ تکلیف دہ صورتحال بیان کی کہ آقائے مجازی کی رضا مندی کا خیال تو رکھا جاتا ہے اور اس کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے لیکن مولائے حقیقی کو جو باتیں ناپسند ہیں اور جن سے وہ منع فرماتا ہے ان پر توجہ نہیں کی جاتی یہ کتنے بڑے شرم کی بات ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اہل حکومت میں شریعت کی ترویج کے لیے شیخ مجددؒ نے جو کچھ کوشش کی اور خود ان میں اس کے لیے جو تحریک پیدا کی وہ اس زمانہ کے سیاسی، سماجی و مذہبی حالات کے گہرے مطالعہ کا نتیجہ تھا۔ عہد اکبری میں دینی شعائر، اسلامی تعلیمات و احکام شریعت کے تئیں سرکاری طور پر جو رویہ اپنایا گیا اس کا انہوں نے بخوبی مشاہدہ کیا تھا۔ اس صورت حال سے وہ بہت آزردہ خاطر تھے اور اس کی تبدیلی کے لیے وہ متفکر و کوشاں ہوئے۔ اسی لیے نئے بادشاہ (جہانگیر) کے تخت نشیں ہوتے ہی وہ اس کوشش میں لگ گئے کہ بادشاہ کی توجہات کو صحیح رخ پر موڑ دیا جائے تاکہ عہد سابق کی خرابیوں کا ازالہ ہوسکے اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت و اسلامی قوانین کی ترویج و تنفیذ کے لیے فضا ہموار ہو جائے۔ اس کام کے لیے انہوں نے امراء یا بادشاہ کے قریبی مصاحبین و عہدہ داروں کو اپنا معاون خاص بنایا۔ ایک جانب تو انہوں نے شریعت کی روشنی میں حکومت کے ان کل پرزوں کو درست کرنے پر توجہ دی ، دوسری جانب بادشاہ تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ان مقربین بارگاہ کو وسیلہ بنایا اور ان کے توسط سے بادشاہ کی اصلاح کی بھی کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ اس اہم کام کے لیے علماء کا تعاون بھی درکار تھا۔ ان سے بھی شیخ مجددؒ نے مراسلت جاری کی اور بالخصوص بادشاہ سے قربت رکھنے والے علماء کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں اور نئے بادشاہ کے حوصلہ افزا رجحانات کے حوالے سے ان سے اپیل کی کہ بدلے ہوئے حالات میں ترویج شریعت کے کام میں تاخیر مناسب نہ ہوگی ورنہ تلافی مافات مشکل ہو جائے گی اور یہ ان کے لیے بڑے اضطراب و بے چینی کا باعث ہوگی صدر جہاں کے نام ایک خط میں ان کے یہ احساسات ملاحظہ فرمائیں:

DMHL

''ائمہ اسلام پر خواہ وہ صدر الصدور ہوں یا علمائے کرام لازم ہے کہ اپنی تمام ہمت کو ترویج شریعت میں مشغول اور آغاز کار ہی میں اسلام کے منہدم ارکان کو قائم و برپا کر دیں کیونکہ دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔ تاخیر کے باعث غریبوں کے دل اضطراب میں ہیں۔ قرن سابق کی سختیاں مسلمانوں کے دلوں پر نقش ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تلافی نہ ہو اور اسلام کی کسمپرسی طول کھینچ جائے جبکہ بادشاہ ترویج سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرگرم نہ ہوں۔ نیز ان کے مقربین بھی اس معاملہ میں ڈھیلے پڑ جائیں اور حیات چند روزہ ہی کو عزیز سمجھیں تو فقراء اہل اسلام پر کام بہت تنگ و تاریک ہو جائے گا۔[۴۹]

رہا یہ مسئلہ کہ شیخ مجددؒ کی ان ساری کوششوں کے کیا اثرات مترتب ہوئے۔ ان کی اصلاحی تحریک حکومت وقت کے مزاج و آہنگ میں کس حد تک تبدیلی پیدا کرسکی یہ ایک الگ موضوع بحث ہے جس کی تفصیل میں جانے کی یہاں گنجائش نہیں ہے لیکن اس جانب اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قریبی عہد میں یا بعد کے زمانہ میں ہندوستان میں جتنی اصلاحی تحریکیں برپا ہوئیں ان سب میں تحریک مجددیؒ کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ انہی کی اس دعا پر اس مقالہ کو ختم کیا جاتا ہے کہ:

''اللہ آپ کو اور ہم کو متابعتِ شریعتِ مصطفویہ کی توفیق عطا فرمائے''

حواشی و مراجع

۱۔ نسیم احمد فریدی امروہوی، تجلیات ربانی۔ ترجمہ و تلخیص مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ، کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ ۱۹۷۸ء ۶۳/۲ (مکتوب نمبر۶۷)۔یہاں یہ واضح رہے کہ قاضی عالم الدین نے مکتوبات امام ربانیؒ کا اردو میں مکمل ترجمہ کیا ہے جو تین جلدوں میں اللجنۃ العلمیۃ، حیدرآباد سے شائع ہوا ہے۔ مجھے مولانا نسیم احمد فریدی کا ترجمہ زیادہ سلیس و عام فہم نظر آیا اس لیے اس مضمون میں زیادہ تر '' تجلیات ربانی '' کا حوالہ دیا ہے۔ طوالت کے اندیشہ سے فارسی عبارت نقل کرنے سے احتراز کیا گیا)

۲۔ محمد منظور نعمانی، تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ، کتب خانہ الفرقان، لکھنؤ، ۱۹۷۰ء، ص۱۴۴

۳۔ تجلیات ربانی، ۶۸/۱ (مکتوب نمبر ۵۱)

۴۔ تجلیات ربانی، ۶۱/۲ (مکتوب نمبر ۶۷)

۵۔ تجلیات ربانی، ۱۰۵/۱ (مکتوب نمبر ۸۱)

۶۔ تجلیات ربانی، ۸۲/۱۔۸۳ (مکتوب نمبر ۶۵)

۷۔ مذکورہ امراء کے بارے میں تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: شاہنواز خاں مآثر الامراء (انگریزی ترجمہ: ایس بوریج) جانکی پرکاش، پٹنہ ۱۹۷۹ء ۶۰/۱۔۶۵، ۷۸۔۸۰، ۳۱۹۔۳۳۴، ۴۵۰۔۴۵۳، ۵۲۱۔۵۲۷، ۵۳۰۔۵۳۴،

DMHL

۴۲۸۔۴۲۹۔

۸۔ تجلیات ربانی، ۲/۷۷(مکتوب نمبر ۹۲)

۹۔ تجلیات ربانی، ۱/۶۷ (مکتوب نمبر ۴۸)

۱۰۔ حوالہ مذکور

۱۱۔ تجلیات ربانی، ۱۱/۱۵۹ (مکتوب نمبر۱۹۳)

۱۲۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۶۰ (مکتوب نمبر۱۹۳)

۱۳۔ تجلیات ربانی، ۲/۱۶۴ (مکتوب نمبر۵۴)

۱۴۔ تجلیات ربانی، ۱/۵۳ (مکتوب نمبر ۳۶)

۱۵۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۰۸ (مکتوب نمبر۹۴)

۱۶۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۵۹ (مکتوب نمبر۱۹۳)

۱۷۔ تجلیات ربانی، ۱/۹۵ (مکتوب نمبر۷۳)

۱۸۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۶۱ (مکتوب نمبر۱۹۴) نیز دیکھئے ۱/۱۷ (مکتوب نمبر۵۳)

۱۹۔ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات ، نول کشور، کانپور (ب۔ت) ص ۳۴۷۔۳۴۸، سید ابوالحسن علی ندویؒ، تاریخ دعوت و عزیمت ، مجلس تحقیقات و نشریات ، لکھنؤ، ۲۰۰۰ء ۴/۱۶۱

۲۰۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (اردو ترجمہ از قاضی عالم الدین)، اللجنۃ العلمیہ ، حیدرآباد ، (بدون تاریخ)، ۱/۱۵۰۔۱۵۱ (مکتوب نمبر۳۴)

۲۱۔ حوالہ مذکور، ۱/۱۵۴ (مکتوب نمبر ۳۷)، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۱۵۱ نیز دیکھئے بدرالدین سرہندی ، حضرات القدس،

۲۲۔ تجلیات ربانی، ۱/۸۷ (مکتوب نمبر ۷۰)

۲۳۔ تجلیات ربانی، ۲/۱۶۵ (مکتوب نمبر ۵۵)

۲۴۔ تجلیات ربانی، ۲/۷۴ (مکتوب نمبر ۸۷)

۲۵۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۵۲۔۱۵۳ (مکتوب نمبر۱۸۴)

۲۶۔ تجلیات ربانی، ۱/۶۷ (مکتوب نمبر ۴۸)

۲۷۔ تجلیات ربانی، ۱/ ۱۵۶۔۱۵۷ (مکتوب نمبر ۱۹۱)

۲۸۔ تجلیات ربانی، ۱۰/۴۶ (مکتوب نمبر ۲۹)

۲۹۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۰۵۔۱۰۶ (مکتوب نمبر ۸۵)

۳۰۔ تجلیات ربانی، ۱/ ۱۰۷ (مکتوب نمبر۹۳) نیز دیکھئے ۱/۱۵۵ (مکتوب نمبر۱۸۹)

۳۱۔ تجلیات ربانی، ۱/۶۰ (مکتوب نمبر ۴۵)

DMHL

۳۲۔ تجلیات ربانی، ۱/۷۰ (مکتوب نمبر ۸۲)

۳۳۔ تجلیات ربانی، ۱/۹۴ (مکتوب نمبر ۷۳)

۳۴۔ تجلیات ربانی، ۱/۸۷ (مکتوب نمبر ۷۰)

۳۵۔ تجلیات ربانی، ۱/۷۰ (مکتوب نمبر ۵۲)

۳۶۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۰۸۔۱۰۹ (مکتوب نمبر ۹۶)

۳۷۔ تجلیات ربانی، ۲/۶۰ (مکتوب نمبر ۶۷)

۳۸۔ خلیق احمد نظامی ،سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۸۱ء ص ۴۱۶۔۴۱۷

۳۹۔ تجلیات ربانی، ۲/۶۶ (مکتوب نمبر ۶۹)

۴۰۔ تجلیات ربانی، ۲/ ۵۱۔۵۲ (مکتوب نمبر ۵۲) نیز دیکھئے ۲/۱۷ (مکتوب نمبر ۸۷)

۴۱۔ تجلیات ربانی، ۲/ ۶۸۔۶۹ (مکتوب نمبر ۸۱)

۴۲۔ تجلیات ربانی، ۲/۱۶۱ (مکتوب نمبر ۴۷)

۴۳۔ تجلیات ربانی، ۲/۱۵۵۔۱۵۶ (مکتوب نمبر ۴۳)

۴۴۔ تجلیات ربانی، ۱/۸۸، ۱۰۸، ۱۵۶ (مکاتیب نمبر ۷۱، ۹۴، ۱۹۱) ۲/۵۲۔۵۳ (مکتوب نمبر ۶۷)

۴۵۔ تجلیات ربانی، ۲/۱۵۵۔۱۵۶ (مکتوب نمبر ۴۳)

۴۶۔ حضرات القدس ،محولہ بالا، ص ۱۱۶

۴۷۔ تجلیات ربانی، ۲/ ۷۸۔۷۹ (مکتوب نمبر ۹۲)

۴۸۔ تجلیات ربانی، ۱/۴۷ (مکتوب نمبر ۲۹)

۴۹۔ تجلیات ربانی، ۱/۱۶۲ (مکتوب نمبر ۱۹۵)